JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 02, January –June 2021

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

قریش کی امامت وسیادت؛ایک شرعی مطالعہ

The leadership of Quraysh – A Shar'ī study

Dr. Hafiz Hasan Madni*
Associate Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Abstract

In present times, there are a lot of misconceptions about the constituent of Islamic politics, which is the leadership of Quraysh, despite the fact that the mentioned issue is proven from the numerous Aḥādīth (Prophetic traditions) and the Ijmā'(consensus) of the Muslim Ummah. Numerous reputable scholars of the subcontinent have also held such opinion and many books that have been published on this issue.

After a detail analytical study of these Aḥādīth, a researcher can reach to a comprehensive and suitable conclusion which this treatise professes along with relevant and reliable evidences.

Keywords: *leadership of Quraysh, Aḥādīth, evaluation.*

'اسلامی نظامِ سیاست' کے اُصول مسلّمہ اور دائمی ہیں، جو مضبوط شرعی اساسات پر قائم ہیں۔ اسلامی نظام سیاست کو سیاستِ نبویہ، سیاستِ شرعیہ اور خلافت وامارت کہا جاتا ہے۔ فی زمانہ بہت سی خلافتوں، امارتوں کے دعووں کے علاوہ مستقبل میں امام مہدی کی خلافتِ راشدہ کا وقوع مسلمانوں کا ایک متفقہ موقف ہے۔ خلافتِ راشدہ طلوعِ اسلام کے پہلے تیس سال کے بعد، پہلی صدی ہجری کے اختتام پر دوبارہ مستحکم ہوئی۔ متعدد خلافتوں کا تذکرہ صحیح احادیث میں موجود[1] ہے۔ پھر خلافتِ اسلامیہ: اُمویہ، اُمویہ مغاربہ، عباسیہ اور عثمانیہ کی صورت میں تیرہ صدیوں تک مسلمانوں کی قیادت کرتی رہیں۔

سیاست شرعیہ کے اُصول وضوابط قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ ربّ کریم جل شانہٗ کے ارشادات اور نبی کریم ﷺ کے فرامین مبارکہ ہونے کے ناطے ہر دور میں ان کی شرعی تفہیم واطلاق کی ضرورت بہر طور باقی رہتی ہے۔ فی زمانہ سیاستِ شرعیہ پر لکھنے والے اکثر ماہرین ہمارے پیش نظر موضوع کو زیر بحث لائے ہیں۔ اس بنا پر ذیل میں اس اہم سیاسی مسئلہ کی شرعی تفصیلات کو پیش کیا جاتا ہے۔

CC BY

سیاستِ شرعیہ کا یہ اہم سوال ہے کہ کیا مسلمانوں کی امامتِ کبریٰ (خلافت) صرف قریشی مسلمان کو ہی دی جاسکتی ہے، یا غیر قریشی مسلمان بھی ملتِ اسلامیہ کا خلیفہ، امام ہو سکتا ہے؟ متواتر احادیث کی رو سے یہی موقف درست ہے کہ مسلمانوں کے امام کبیر کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے۔ اس پر خیر القرون میں اجماعِ صحابہؓ ہوا، اور محدثین وفقہا کی عظیم اکثریت اسی موقف کی قائل ہے۔

بعض اہل دانش کو اس مسئلہ سے اختلاف ہے، اور انہیں اسلام کا منشا سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ اس متواتر حدیث پر بھی اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ دیگر احادیث میں ہی اس کی بعض شرطیں بھی مذکور ہیں۔

جمہور علما کا موقف یہ ہے کہ خلیفہ کی شرائط میں قریشی ہونا شامل ہے، مشہور فقہی انسائیکلوپیڈیا الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

يُشْتَرَطُ عِنْدَ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ أَنْ يَكُونَ الإِْمَامُ قُرَشِيًّا.[2]

”فقہائے کرام کی اکثریت کا موقف ہے کہ امام کو قریشی ہونا چاہیے۔“

’قریش ‘سے مراد اور محل اختلاف

چونکہ فرمانِ نبوی میں ’ائمہ، امامت‘ کا لفظ آیا ہے تو واضح رہے کہ یہ اختلاف امامت[3] کی دیگر صورتوں میں نہیں ہے۔ اور حاکم کے قریشی ہونے کے بارے میں اختلاف بھی صرف خلیفہ یعنی امامتِ کبریٰ کے بارے میں ہے، امامتِ صغریٰ یعنی ماتحت گورنرز اور حاکم کا قریشی ہونا کوئی ضروری نہیں۔ ماتحت حکام میں والی، عامل اور امیر و وزیر شامل ہیں جن کا قریشی ہونا ضروری نہیں جیسا کہ واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا ابو بکرؓ کا قول ہے:

لاَ، وَلَكِنَّا الأُمَرَاءُ، وَأَنْتُمُ الوُزَرَاءُ، هُمْ أَوْسَطُ العَرَبِ دَارًا، وَأَعْرَبُهُمْ أَحْسَابًا.[4]

”ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہم اُمرا ہوں گے اور تم وزرا ہو گے کیونکہ محل وقوع کے اعتبار سے قریش تمام عربوں سے افضل اور خاندانی لحاظ سے زیادہ فصیح ہیں۔“

سیدنا ابو بکرؓ کی اس وضاحت سے علم ہوتا ہے کہ غیر قریشی مسلمان وزیر یعنی ذیلی حکام ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح نماز کی امامت اور نااہل کے مال کی ولایت (نگہداشت ونگرانی) وغیرہ کے بارے میں قریشی ہونے کی شرط کا کوئی بھی قائل نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خود سالم مولیٰ حذیفہ کو نمازوں کا امام اور زید بن حارثہ، اُسامہ بن زید، معاذ بن جبل، اور عمرو بن عاص کو جہاد کا امیر بنا کر بھیجا[5]۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ اللهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ».[6]

”اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ میں سے قریش (نضر بن کنانہ) کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔“

علاوہ ازیں خلافت کے بارے میں قریش کے ذیلی سلسلوں : ہاشمی (علوی یا عباسی) اور اُموی ہونے میں بھی کوئی اختلاف [7] نہیں۔ اور قریش سے مراد بھی نضر بن کنانہ کی ساری آل واولاد [8] ہے کیونکہ نضر کا لقب 'قریش' تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ بْنُ كِنَانَةَ، لَا نَقْفُو أُمَّنَا، وَلَا نَنْتَفِي مِنْ أَبِينَا». [9]

''اپنی ماؤں پر الزام تراشی نہیں کرتے اور اپنے باپ سے نسبت کی نفی نہیں کرتے۔''

امام بخاریؒ صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ

''قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں اور کلبی سے منقول ہے کہ مکہ کے رہنے والے اپنے آپ کو قریش سمجھتے اور نضر کی باقی اولاد کو قریش نہ جانتے۔ جب آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: نضر بن کنانہ کی اولاد بھی قریش میں سے ہے۔''[10]

بعض اہل علم نے نضر بن کنانہ کے پوتے: فہر بن مالک بن نضر (جسے قریش اوسط کہا جاتا ہے) کی اولاد کو قریشی قرار دیا ہے، تاہم مذکورہ حدیث کی بناپر پہلا قول ہی راجح ہے۔

خلیفہ کے قریشی ہونے کے شرعی دلائل

خلیفہ کے قریشی ہونے کی بنیاد نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے جو سیدنا انس سے مروی ہے:

«الأئمة من قريش».[11]

''امامت (خلافت) قریش میں ہے۔''

حافظ ابن کثیر نے سندين جيدين، حافظ عراقی نے إسناد صحيح اور ابن الملقن نے ورجاله رجال الصحيح کہہ کر اس حدیث کو صحیح اور مستند قرار دیا ہے۔[12]

جبکہ حافظ ابن حزم، حافظ ابن تیمیہ، ابن جزری، ملا علی قاری، امام سیوطی اور امام کتانی نے اپنی اپنی کتب میں اس حدیث کو متواتر قرار [13] دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے لذة العيش في طرق حديث «الأئمة من قريش» کے نام سے ایک مستقل جز میں چالیس صحابہ کرام نے اس کی تمام اسناد و طرق کو جمع کر دیا ہے۔[14]

سیدنا ابوہریرہؓ سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے کہ

«النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي هَذَا الشَّأْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ»[15]

''لوگ اس (حکومت کے) معاملے میں قریش کے تابع ہیں۔ عام مسلمان قریش مسلمانوں کے تابع ہیں، جس طرح ان کے عام کفار قریش کفار کے تابع رہتے چلے آئے ہیں۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمْ اثْنَانِ».[16]

''یہ خلافت قریش میں رہے گی، جب تک ان میں دو آدمی بھی (دین دار) باقی رہیں گے۔''

سیدنا معاویہؓ قریش کے ایک وفد میں تھے کہ اُنہیں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص کی ایک یہ بات پہنچی کہ عنقریب بنو قحطان سے ایک حکمران اُٹھے گا۔ یہ سن کر سیدنا معاویہ ناراض ہوئے اور یہ فرمانِ نبوی سنایا:

فَقَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالًا مِنْكُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَحَادِيثَ لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا تُؤْثَرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأُولَئِكَ جُهَّالُكُمْ. فَإِيَّاكُمْ وَالْأَمَانِيَّ الَّتِي تُضِلُّ أَهْلَهَا. فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللَّهُ عَلَى وَجْهِهِ مَا أَقَامُوا الدِّينَ».[17]

''پھر خطبہ دینے کے لیے اُٹھے۔ اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگو! مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تم میں سے کچھ حضرات ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں اور نہ وہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔ دیکھو! تم میں سب سے جاہل یہی لوگ ہیں، لہٰذا ان سے اور ان کے خیالات سے بچتے رہو۔ اس قسم کے خیالات نے انھیں گمراہ کردیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "خلافت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے اور ان سے جو بھی دشمنی کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ گرائے گا۔''

اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کا مطلب ہے کہ قیامت کے قریب ایک قحطانی عرب کا بادشاہ ہوگا جو لوگوں پر زبردستی حکومت کرے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ قَحطان یمن میں ایک مشہور قبیلہ ہے۔ سیدنا معاویہ نے یہ خیال کیا کہ لوگ اس حدیث کو بنیاد بنا کر خلافت کو قریش سے چھیننا چاہتے ہیں، اس بنا پر اُنھوں نے سخت نوٹس لیا اور ناراض ہوئے۔ انھوں نے سمجھا کہ مستقبل قریب میں قریش سے حکومت چھین لی جائے گی جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر کی مراد یہ تھی کہ قربِ قیامت کے وقت ایسا ہوگا اور تغیر زمان اور تبدیلی احکام کی بڑی علامت ہوگی۔ وہ قحطانی قریشی نہیں ہوگا اور نہ کسی خاندانِ نبوت سے اس کا تعلق ہوگا۔''[18]

اسی حدیث سے ملتی جلتی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّكُمْ أَهْلُ هَذَا الْأَمْرِ، مَا لَمْ تَعْصُوا اللهَ، فَإِذَا عَصَيْتُمُوهُ بَعَثَ عَلَيْكُمْ مَنْ يَلْحَاكُمْ كَمَا يُلْحَى هَذَا الْقَضِيبُ» لِقَضِيبٍ فِي يَدِهِ، ثُمَّ لَحَا قَضِيبَهُ فَإِذَا هُوَ أَبْيَضُ يَصْلِدُ.[19]

''اے جماعتِ قریش! تم امامت کے حق دار ہو جب تک اللہ کی نافرمانی نہ کرو گے۔ اگر تم نے اس کی نافرمانی کی تو اللہ تم پر اس کو بھیج دے گا، جو تمہیں اس طرح مروڑ دے گا، جیسے یہ چھڑی مڑ جاتی ہے۔ پھر اپنے ہاتھ کی چھڑی کو آپ نے موڑ دیا، جو کہ سفید اور خشک تھی۔''

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا فرمان ہے:

"وَإِنَّ هَذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ مَا أَطَاعُوا اللَّهَ وَاسْتَقَامُوا عَلَى أَمْرِهِ".[20]

''یہ امامت قریش میں اس وقت تک رہے گی، جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے حکم پر کاربند رہیں گے۔''

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«قَدِّمُوا قُرَيْشًا وَلَا تَقَدَّمُوهَا».[21]

"(امامتِ کبیر میں) قریش کو مقدم کرو اور ان سے آگے مت بڑھو۔"

☆قرشیت کی شرط سے اتفاق کرتے ہوئے ان احادیث کی تشریح میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

لكن تفضيل الجملة على الجملة لا يستلزم أن يكون كل فرد أفضل من كل فرد...[22]

"بالجملہ کسی کو دوسرے پر فضیلت دینے ہر فرد کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ عجمی لوگوں کی ایک بڑی تعداد اکثر عرب لوگوں سے بہتر ہے۔ اور قریش کے علاوہ بہت سے مہاجرین و انصار قریش سے بہتر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ نبی کریم کو جن و انس دونوں مخلوقات کی طرف مبعوث کیا گیا، اور عرب کے لئے دیگر اُمتوں کو چھوڑ کر کوئی خاص احکام جاری نہیں کئے گئے، تاہم خلافت (امامتِ کبریٰ) کے لئے قریش کو خاص کر دیا گیا، اور بنی ہاشم پر زکاۃ کی حرمت سے بھی ان کو خاص کر دیا۔ اس بنا پر کہ جب قریش کی جنس افضل ہے تو ضروری ہے کہ امامت امکانی طور پر بہترین جنس میں ہو۔ اور امامت کوئی وسیع معاملہ نہیں بلکہ لوگوں میں ایک ہی حاکم ہوتا ہے۔"

آپ اس حکم کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ

کسی جنس کی فضیلت کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ہر ہر فرد دوسروں سے افضل ہو۔

اس سے تمام عرب کی سارے عجم پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

قریش کے لئے بعض احکام دیگر اُمت سے مخصوص بھی ہیں، جیسا کہ ان کے لئے زکاۃ بھی حرام ہے۔

خلافت پوری نسل قریش کی ملتِ اسلامیہ پر برتری بھی نہیں بلکہ خلیفہ تو صرف ایک شخص ہی ہوتا ہے۔

مذکورہ احادیث میں پہلی حدیث اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، جس کو امام سیوطی اور امام کتانی نے متواتر احادیث پر مشتمل اپنی اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ جبکہ دیگر ائمہ حدیث نے اس کی سند کی تفصیلی بحث کر کے اس کو مستند و صحیح قرار دیا ہے۔ اور صحیح بخاری میں مروی احادیث کے الفاظ هَذَا الْأَمْرُ (نمبر 3 اور 4) اس حدیث کی مستند بنیاد اور معنوی تائید کرتے ہیں۔

بہر حال قریش کو مقدم کرنے کی مزید احادیث بھی ہیں جن میں سے اہم تر کا تذکرہ اوپر کر دیا گیا۔ اور اس تقدیم کو 'امامتِ کبریٰ' تک ہی محدود سمجھا گیا ہے، جیسا کہ آغاز میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

دوسرے موقف کے دلائل

- بعض علما نے ان احادیث کو ظاہری معنی پر محمول کیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ».[23]

"تم بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی ایسے حبشی کو حاکم اور سربراہ مقرر کر دیا جائے جس کا سر منقیٰ کی طرح چھوٹا ہو۔"

ان کا خیال ہے کہ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ غلام اور حبشی کو بھی حاکم بنایا جا سکتا ہے۔

اور آپ نے انصاری صحابی سیدنا معاذ بن جبل کو یمن میں گورنر بنا کر بھیجا اور اہل مکہ پر بھی نگران بنایا[24] تھا۔

اسی طرح اپنے عہد میں سیدنا عمرؓ نے اپنی آرزو کا اظہار یوں کیا کہ

"أَتَمَنَّى لَوْ أَنَّهَا مَمْلُوءَةٌ رِجَالًا مِثْلَ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ".[25]

"یہ گھر ابو عبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان جیسے لوگوں سے بھرا ہو اور میں ان کو اطاعتِ الٰہی کی تکمیل کرنے کے لیے عامل مقرر کر دوں۔"[26]

سیدنا عمر نے ان لوگوں کو حاکم بنانے کا ارادہ کیا، حالانکہ ان میں سالمؓ فارسی النسل آزاد کردہ غلام تھے، جو مکہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے۔

اور سیدنا عمرؓ نے خلافت کے لئے چھ آدمیوں کی شوریٰ بناتے ہوئے یوں بھی کہا تھا کہ

"لو أدركني أحد رجلين، ثم جعلت إليه الأمر لوثقت به سالم مولىٰ أبي حذيفة، وأبو عبيدة بن الجراح".[27]

"اگر میں دو آدمیوں کو زندہ پالیتا اور ان کو یہ امارت کی ذمہ داری سونپتا تو مطمئن ہو جاتا، پہلے سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ اور دوسرے ابو عبیدہ بن جراحؓ۔"

اور مسند احمد بن حنبل کی حدیث میں ہے کہ

فَإِنْ أَدْرَكَنِي أَجَلِي، وَقَدْ تُوُفِّيَ أَبُو عُبَيْدَةَ، اسْتَخْلَفْتُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، فَإِنْ سَأَلَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ: لِمَ اسْتَخْلَفْتَهُ؟ قُلْتُ: سَمِعْتُ رَسُولَكَ ﷺ يَقُولُ: "إِنَّهُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ نَبْذَةً".[28]

"اگر میرا پیام اجل آ پہنچا، اور ابو عبیدہ بن جراح وفات پا گئے تو میں معاذ بن جبل کو خلیفہ بناؤں گا۔ مجھ سے میرے ربّ نے اگر پوچھا کہ تو نے کیوں اس کو حاکم بنایا ہے تو میں کہوں گا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا تھا کہ روز قیامت یہ علما سے کچھ پہلے اُٹھائے جائیں گے۔"

اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب نے اہل مکہ (جن میں قرشیوں کی بڑی تعداد تھی) پر ابن ابزیٰ نامی غلام کو حاکم مقرر کرنے سے بھی اتفاق کیا تھا:

نَافِعَ بْنَ عَبْدِ الْحَارِثِ لَقِيَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بِعُسْفَانَ، وَكَانَ عُمَرُ اسْتَعْمَلَهُ عَلَى مَكَّةَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَنِ اسْتَخْلَفْتَ عَلَى أَهْلِ الْوَادِي؟ قَالَ: اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ أَبْزَى. فقَالَ: وَمَا ابْنُ أَبْزَى؟ فَقَالَ: رَجُلٌ مِنْ مَوَالِينَا. فَقَالَ عُمَرُ: اسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى! فَقَالَ: إِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللهِ، عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ قَاضٍ، فَقَالَ عُمَرُ: أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ ﷺ قَدْ قَالَ: " إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ "[29]

"نافع بن عبد الحارث سیدنا عمر بن خطاب سے عسفان میں ملے اور سیدنا عمر نے انہیں مکہ کا گورنر مقرر کر رکھا تھا۔ تو عمر نے پوچھا کہ مکہ والوں پر کس کو حاکم بنا آئے ہو؟ تو جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو۔ پوچھا: ابن ابزیٰ کون ہے؟ جواب دیا کہ ہمارے آزادہ کردہ غلاموں میں سے ہے۔ تو عمر بولے: کہ ایک غلام کو (اہل مکہ، قریشیوں پر) حاکم بنا دیا؟ تو نافع نے جواب دیا کہ وہ کتاب اللہ کا بہترین قاری ہے، علم وراثت کا ماہر اور قاضی ہے۔ تب سیدنا عمر نے کہا: تمہارے نبی نے (صحیح) فرمایا تھا: کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو سر بلندی دیتا اور دوسروں کو ذلیل کر دیتا ہے۔"

قرشیت کو ضروری قرار دینے والی، اور بعد میں آنے والی احادیث وواقعات کے درمیان مختلف انداز سے تطبیق دی گئی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اپنے بعد سیدنا ابو بکر وعمر کی اقتدا کا حکم بھی دیا تھا۔ اور سیدنا عمر کا طریقۂ انتخابِ خلیفہ سب سے مثالی قرار دیا جاتا ہے۔

سیدنا عمر بن خطابؓ کے فرمان سے استدلال کر کے چند علما نے غیر قریشی کو خلیفہ بنانے کا موقف بھی اختیار کیا ہے۔ جبکہ دراصل یہ دوسرا موقف معتزلہ اور خوارج کا ہے جس کی تفصیل آرہی ہے۔

اجماعِ صحابہ کرام اور فقہاے کرام کی آرا

- سیاسہ شرعیہ کے مشہور ماہر امام ابو الحسن علی ماوردی (450ھ) نے اس مسئلہ کو اجماعی قرار دیا ہے:

وَهُوَ أَنْ يَكُونَ مِنْ قُرَيْشٍ؛ لِوُرُودِ النَّصِّ فِيهِ وَانْعِقَادِ الْإِجْمَاعِ عَلَيْهِ.. وَلَا قَوْلٌ لِمُخَالِفٍ لَهُ.[30]

"خلیفہ کو قریش سے ہی ہونا چاہیے کیونکہ اس کے بارے میں واضح احادیث آئی ہیں اور اس پر دورِ صحابہ میں اجماع بھی ہے۔ اس بارے میں ضرار بن عمرو معتزلی کے اُمت سے جدا موقف کا کوئی وزن نہیں جس نے خلافت کو تمام لوگوں کے لئے جائز قرار دے دیا ہے۔ اجماعِ صحابہ کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق نے جب سقیفہ کے دن انصار کو سعد بن عبادہ کی بیعت سے یہ فرمان نبوی «الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ» سنا کر رک جانے کی دلیل دی تو انصار خلافت میں علیحدہ ہونے سے باز آگئے اور اس میں دوسروں کو شریک کرنے سے رک گئے جبکہ وہ پہلے کہہ رہے تھے کہ ایک ہمارا حاکم اور ایک تمہارا۔ صحابہ نے یہ اجماع سیدنا ابو بکر کی روایتِ حدیث کو قبول کرتے اور ان کی خبر کی تصدیق کرتے ہوئے کیا تھا۔ اور سیدنا ابو بکر کے اس موقف پر صحابہ راضی ہوگئے کہ ہم امیر اور تم وزیر ہوگے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قریش کو مقدم کرو اور ان سے آگے مت بڑھو۔ اس مسلمہ فرمانِ نبوی کے بعد اختلاف کرنے والے کے پاس کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا، اور اس قول کا (دورِ صحابہ میں) کوئی بھی مخالف نہ تھا۔"

قاضی عیاض نے بھی اس پر فقہاے کرام کے اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے:

اشْتِرَاطُ كَوْنِ الْإِمَامِ قُرَشِيًّا مَذْهَبُ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً وَقَدْ عَدُّوهَا فِي مَسَائِلِ الْإِجْمَاعِ وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنَ السَّلَفِ فِيهَا خِلَافٌ وَكَذَلِكَ مَنْ بَعْدَهُمْ فِي جَمِيعِ الْأَمْصَارِ قَالَ وَلَا اعْتِدَادَ بِقَوْلِ الْخَوَارِجِ وَمَنْ وَافَقَهُمْ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ لِمَا فِيهِ مِنْ مُخَالَفَةِ الْمُسْلِمِينَ.[31]

"حاکم کا قریشی ہونا سارے علما کا موقف ہے۔ اور اس کو اجماعی مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ ائمہ اسلاف اور ان کے بعد تمام زمانوں میں اس کی مخالفت کسی سے بھی منقول نہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے خوارج اور ان کی موافقت کرنے والے معتزلہ کے قول کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا۔"

امام نووی بھی اجماع کے قائل ہیں اور حافظ ابن حزم اجماع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فإذا صحّ البرهان بأن لا يكون إلا في قريش، لا فيمن ليس قرشيًا؛ صح بالإجماع أن حليف قريش مولاهم وابن أختهم كحكم من ليس قرشيًا.[32]

"جب دلیل و برہان سے واضح ہو گیا کہ امام صرف قریش سے ہی ہو سکتا ہے، اور ان میں نہیں ہو سکتا جو قریشی نہیں۔ تو اجماع سے ثابت ہوا کہ قریش کے حلیف، ان کے آزادہ کردہ غلام اور ان کے بھانجے بھی اسی حکم میں ہوں گے جو قریشی نہیں ہیں۔"

حافظ ابن حجر نے اس بنا پر اجماع سے انکار کر دیا ہے کہ سیدنا عمر کے بعض اقوال اس کے مخالف ہیں، تو یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس پر سیدنا عمر ؓ سے پہلے خلافت صدیقی میں اجماعِ صحابہ منعقد ہو چکا تھا، پھر سیدنا عمر کے بعض اقوال کے ضعف کے ساتھ، ان کی توجیہ بھی موجود ہے کہ ذیلی حکام کا قریشی ہونا اصل سے ہی ضروری نہیں۔ جیسا کہ آگے علامہ ابن خلدون کی زبانی اس کی مزید شافی وضاحت بھی آ رہی ہے۔

اور جن صحابہ کو والی بنانے کے بارے میں سیدنا عمر نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، ان تمام کا بھی قریش سے کوئی نہ کوئی تعلق موجود ہے۔ اور سب سے بڑھ کر، سیدنا عمر نے عملاً جب خلافت کے لئے مجلس شوریٰ قائم کی، تو جن لوگوں کو اس میں نامزد کیا، وہ سب قریشی ہی تھے، یعنی ایسے عشرہ مبشرہ جو بقیدِ حیات تھے، ان سب پر مشتمل ایک کمیٹی[33] آپ نے بنادی۔ گویا کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے قول و ارادہ کی وضاحت ان کے مستند عمل کی روشنی میں کی جائے گی۔ یہ سیدنا عمر کے ایسے ارادے ہیں، جن پر ان کی آخر عمر کی چھ افراد کی شوریٰ والی حتمی قضا اور فیصلہ غالب تر ہے۔

اس تفصیل سے علم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق کے دور میں ہونے والے اجماعِ صحابہ کو سیدنا عمر فاروقؓ نے ختم نہیں کیا، بلکہ دبے الفاظ میں کبھی اس کا اظہار کرتے رہے، تاہم اپنے عملی اقدام کے ذریعے آپ نے سیدنا ابو بکر صدیق کے دور کے اجماعِ صحابہ کو قائم رکھا۔

☆ بعض ایسے واقعات جن میں مرکزی خلفا کے بالمقابل خروج کے اقدامات ہوئے، تو واضح رہنا چاہیے کہ خارجیت نواز خروج سے اجماعِ اُمت میں کوئی خلل نہیں پیدا ہوتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر خروج ہی خارجیت نہیں ہوتا۔ بعض مشروع خروج ایسے بھی تھے جن کی قیادت انہی شخصیات کے پاس تھی جو قریشی تھے۔

☆ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امت کے آخری پانچ صدیوں کے حالات میں اب اس اجماع کے دعوے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، جب سے قریشی خلفا کی حکومت معطل ہے۔ تو اس کی شافی تفصیل آئندہ علما کے اقوال و توجیہات میں واضح طور پر آ رہی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں کسی کو حاکم بنایا جائے اور جب مسلمانوں پر کوئی جبر و تسلط سے حاکم بن جائے تو دونوں کے احکام میں فرق ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے ناطے ملتِ اسلامیہ تو اسی بات کی پابند ہے کہ وہ امین و قوی قریشی مسلمان کو خلیفہ بنائے۔ تاہم غیر قریشی مسلمان اگر حاکم بن جائے تو اس کی شرعی حیثیت بھی بعض شرعی احکام کے تحت قبول و گوارا کی جاتی ہے۔

حنفیہؒ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور ظاہریہ یعنی فقہا کی بڑی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ امام کبیر کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے۔ آغاز میں بھی موسوعہ فقہیہ کے حوالے سے بھی گزر چکا ہے:

وَيُشْتَرَطُ عِنْدَ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ أَنْ يَكُونَ الإِمَامُ قُرَشِيًّا لِحَدِيثِ: الأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ وَخَالَفَ فِي ذَلِكَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ الْبَاقِلاَّنِيُّ وَاحْتَجُّوا بِقَوْلِ عُمَرَ... [34]

''فرمان نبوی الأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ کی بنا پر جمہور فقہا کے نزدیک امام کبیر کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ اور بعض علما جیسے ابو بکر باقلانی مالکی نے سیدنا عمر کے قول کی بنا پر ان کی مخالفت کی ہے۔''

فقہاے حنفیہ کے مشہور فقہی متن الدرّ المختار میں ہے:

الْإِمَامَةِ هِيَ صُغْرَى وَكُبْرَى فَالْكُبْرَى اسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفٍ عَامٍّ عَلَى الْأَنَامِ، ... وَيُشْتَرَطُ كَوْنُهُ مُسْلِمًا حُرًّا ذَكَرًا عَاقِلًا بَالِغًا قَادِرًا، قُرَشِيًّا.[35]

''امامت کی دو قسمیں ہیں: صغری و کبریٰ۔ امامتِ کبریٰ سے مراد مخلوق کے اُمور پر عمومی اختیار ہے۔ اور اس کی شرائط میں امام کا مسلمان، مرد، عاقل، بالغ، قادر اور قریشی ہونا ہے۔''

اس کی تشریح میں قاضی ابن عابدین لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُ قُرَشِيًّا لِقَوْلِهِ ﷺ «الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ» وَقَدْ سَلَّمَتْ الْأَنْصَارُ الْخِلَافَةَ لِقُرَيْشٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَبِهِ يَبْطُلُ قَوْلُ الضِّرَارِيَّةِ إنَّ الْإِمَامَةَ تَصْلُحُ فِي غَيْرِ قُرَيْشٍ.[36]

''امام حصکفی نے نبی کریم ﷺ کے فرمان «الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ» کی بنا پر قریشی ہونے کی شرط عائد کی ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر انصار نے خلافت کو قریش کے حوالے کر دیا تھا۔ اسی حدیث سے ضراریہ (معتزلہ) کا موقف باطل ہو جاتا ہے کہ امامت غیر قریش میں بھی درست ہو سکتی ہے۔''

دوسرے موقف کی احادیث و آثار کا جائزہ

مذکورہ بالا دونوں مواقف کے دلائل: احادیث و آثار اور فقہا کی آرا یہاں پیش کی جا چکی ہیں۔ دراصل دوسرے موقف میں پیش کردہ اکثر احادیث و آثار پہلے موقف سے متعارض نہیں ہیں۔ ان میں نبی کریم ﷺ کا فرمان تو ایک ہی ہے اور حبشی حاکم کے بارے میں آپ کا یہ فرمان امام کبیر (خلیفہ) کے بارے میں صریح نہیں۔ آپ کی دوسری احادیث کی موجودگی میں اس کو ماتحت حاکم پر منطبق کیا جائے گا۔ اس میں 'تم پر حاکم بنایا جائے' کا جملہ بھی یہی بتاتا ہے کہ امام کبیر اگر ماتحت حکام کا تقرر کرے، جیسا کہ سیدنا عمر نے ابن ابزی کو اہل مکہ یعنی خالص قریشیوں پر حاکم مقرر کر دیا تھا، تو مسلمانوں کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

حبشی والی حدیث کی توجیہ وہ بھی ہو سکتی ہے جو آگے شیخ ابن عثیمین کی زبانی پیش کی گئی ہے کہ مسلم اہل حل و عقد (شوریٰ) کو اپنا حاکم بناتے ہوئے امانت و قوت کے ساتھ قرشیت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم اگر کسی وقت مسلمانوں پر کوئی حبشی غلام قبضہ کر لے تو شرعی مصالح کے تحت، اس کے جبر و استیلا کو بھی بطور مصلحت اسلامی قبول کر لینے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ برصغیر کی مسلمان حکومت کی بنیاد رکھنے والے سلطان قطب الدین ایبک (م1210ء) اور اس خاندانِ غلاماں کی دہلی پر حکومت 1290ء تک قائم رہی۔ اور مصر کے ممالیک سلاطین جن کی حکومت 1250ء تا 1517ء قائم رہی۔ بطور خاص سلطان سیف الدین قایتبائی (م1496ء)۔ یہ دونوں سلاطین (ایبک اور قایتبائی) باقاعدہ فروخت ہونے والے غلام تھے۔ تو ایسی صورت میں ان کی حکومت کو گوارا کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک سیدنا عمر کی تمنا اور خواہش کا ذکر ہے، تو آپ کا اپنا عمل اس کی حقیقی وضاحت کرتا ہے کہ انہوں نے امر واقعہ میں اپنے بعد صرف قریشی صحابہ کو ہی خلافت کمیٹی کا ممبر بنایا۔ اس بنا پر سیدنا ابو بکر کے دور میں ہونے والے اجماعِ صحابہ کی عملاً سیدنا عمر نے پاسداری کی، نہ کہ اس کے خلاف کوئی موقف عملاً اپنایا۔

آپ کے فرامین میں بعض کا تعلق ماتحت عمال وحکام سے ہے جن کے بارے میں اصلاً کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل کو آپ نے مکہ کا والی بنایا۔ سیدنا ابو عبیدہ بن جراح قریشی ہیں، سیدنا حذیفہ بن یمان مکہ میں پیدا ہوئے، اور سالم مولیٰ حذیفہ، باعتبار ولاء کے قریشی ہیں۔اور سیدنا معاذ بن جبل کے بارے میں ایک اثر میں آتا ہے کہ أستعملهم في طاعة الله یعنی یہ ان کو ماتحت حاکم بنانے کی بات ہے، جبکہ اپنے بعد خلیفہ بنانے والی حدیث کی سند کمزور ہے۔

☆بظاہر تو احادیث وآثار میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا، لیکن بعض لوگوں نے اس تضاد کو حل کرنے کے بجائے، امامتِ قریش کے بارے میں مختلف رویے اپنائے ہیں:

<u>پہلا رویّہ: اس اُصول کو خاص قضیہ تک محدود کردینا:</u> بعض اہل دانش نے اس متواتر حدیث «الأئمة من قريش» کو سیاسہ شرعیہ کا اُصول بنانے کی بجائے، ایک خاص قضیہ تک محدود کرنے کی تاویل کی ہے۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

> "جہاں تک حدیث «الأئمة من قريش» کا تعلق ہے، اس کے الفاظ تو واضح طور پر نہ یہ بتاتے کہ یہ امر ہے، نہ یہ بتاتے کہ یہ خبر ہے، نہ یہ بتاتے کہ یہ کسی قضیہ کا فیصلہ ہے اور نہ ہی یہ بتاتے کہ یہ حکمت عملی کے تحت اسلام کے اُصولِ مساوات کو توڑ کر قریش کو بربنائے نسب تمام عرب وعجم پر ترجیح دینے کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ مجرد اس حدیث کے الفاظ ان مفہوموں میں سے کسی مفہوم کو بھی قطعی طور پر متعین کرنے والے نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اہل فن کے عام طریقہ کے مطابق اس حدیث کی تاویل کی جائے گی۔"[37]
>
> لوگوں نے اس حدیث کو موقع و محل سے ہٹا کر اس کو امر یا خبر یا وصیت کے مفہوم میں لیا۔ حالانکہ یہ نہ تو امر ہے، نہ خبر، نہ وصیت۔ بلکہ یہ ایک قضیہ اور ایک نزاع کا فیصلہ ہے۔" (ص 49)
>
> کوئی مستقل حکم دینے اور کسی قضیہ کا وقتی فیصلہ کرنے میں فرق یہ ہے کہ کسی نزاع کے فیصلہ کا تعلق صرف متعلق پارٹیوں سے ہوا کرتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آیا کرتا کہ اگر اسی حق کے لئے کوئی تیسرا فریق اس سے بہتر وجوہ استحقاق کے ساتھ سامنے آئے تو جو وجوہ ایک فریق کی دوسرے پر ترجیح کا باعث ہوئے ہیں، تب بھی اس کو ترجیح حاصل رہے گی۔" (ص 53)

اس مفروضہ پر سوال پیدا ہوا کہ ایسا کوئی قضیہ تو دورِ نبوی میں پیدا ہوا ہی نہیں جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے وقتی نزاع کو حل کردیا ہو، تو فرضی قضیہ تشکیل دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> "یہ قضیہ کی شکل میں حضور ﷺ کے سامنے پیش نہیں ہوا تھا، لیکن یہ ذہنوں میں موجود تھا اور اس کے اثرات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے۔... حضور کی حیاتِ مبارکہ میں تو اس کا اندیشہ نہیں تھا کہ بگاڑ کی شکل اختیار کرجاتا... تاہم اندیشہ

تھا کہ صحابہ کرام کو حصول اقتدار کی کشمکش کے بجائے خدمت دین میں مقابلہ کے جذبہ کے تحت کوئی کش مکش میں مبتلا نہ کردے۔ (ص51)

پھر اپنے موقف پر استدلال کے لئے مولانا اصلاحی نے سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا سعد بن عبادہ کی لمبی تقریر سے اس عصبیت کو ثابت کیا ہے: گروہِ انصار! خدمتِ اسلام میں جو فضیلت واولیت تم کو حاصل ہے، عرب کے کسی قبیلہ کو بھی حاصل نہیں۔ تمہیں اس بات کی توفیق حاصل ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، ان کے ساتھیوں کی حفاظت کرو، دشمنان دین سے جہاد کرو۔۔۔" (ص55)

"انصار کے یہ احساسات وقت کے وقت ابھر نہیں آئے تھے، پہلے سے بھی ان کا نام ونشان موجود تھا۔ ان احساسات کی موجودگی اس بات کی مقتضی تھی کہ حضور اس بارے میں کوئی رہنمائی دے کے جاتے جو اس نزاع کے حل کرنے میں مددگار ہو سکتی۔" (ص56)

<u>دوسرا رویہ: قریش کو یہ امتیاز خاندان کی بجائے، ان کے سماجی مقام کی بناپر حاصل ہے</u>: بعض اہل علم نے قریش کے اس امتیاز کی حکمت پیش کی ہے۔ حضرت عمر کا معاذ بن جبل یا سالمؓ کو امیر بنانے کا عزم بتاتا ہے کہ امارت تو قریش میں ہو گی، لیکن اس سے مراد خاندانی برتری نہیں بلکہ قریش کی جزیرہ عرب میں ممتاز حیثیت ہے۔ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ

سبرنا وقسمنا لم نجدها إلّا اعتبار العصبيّة الّتي تكون بها الحماية والمطالبة ...[38]

"ہم اصل وجہ کو چھانٹیں اور نکھاریں تو اس میں اس عصبیت کا اعتبار کیا گیا ہے جس کے ساتھ حمایت اور مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور صاحب منصب سے اس بناپر اختلاف وافتراق کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ملت اس عصبیت اور اس اہلیت سے مطمئن ہو جاتی اور ان میں اپنائیت کی رسی مضبوط ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش مضر کے عصبہ اور اصل ہیں، ان میں غالب ہیں۔ سارے قبیلہ مضر میں کثرت اور عصبیت کی بناپر ممتاز ہیں۔ اور پورے عرب ان کی اس عظمت کے معترف ہیں اور ان کے غلبہ کے تابع ہیں۔ اگر ان کے ماسوا کسی اور میں حکومت ہو گی تو باقی عرب کی مخالفت اور عدم اطاعت کی بناپر اجتماعیت منتشر ہو جائے گی۔ اور قبائل مضر میں قریش کے سوا کسی کو یہ صلاحیت حاصل نہیں کہ ان میں اختلاف کو ختم کردے اور نہ غلبہ پر ان کو اُبھار سکے۔ سو جماعت منتشر اور کلمہ مختلف ہو جائے گا۔"

عصبيّة العرب كانت وافية بها ... ولا يخاطب بالأمر إلّا من له قدرة عليه.[39]

کیونکہ قریش میں اسلام کی دعوت عام ہے، اور عرب کی عصبیت ان میں وافر ہے۔ سو وہ ساری اُمتوں پر غالب ہو گئے۔ اور اس کی اس دور میں بطور خاص اہمیت ہے جس میں عصبیت کے اثرات غالب تھے۔ اور اگر آپ خلافت کے راز میں غور کریں تو آپ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خلیفہ کو بندوں کے اُمور میں اپنا نائب بنایا ہے تاکہ ان کی مصالح کا انتظام اور نقصانات کا خاتمہ کر سکے اور اس سے اسی کا مطالبہ ہے۔ غرض اسی سے کام کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو اس کو کرنے پر قادر ہو۔"

علامہ ابن خلدون نے نسب ونسل کی بناپر تو قریش میں خلافت ہونے کا انکار کیا ہے، تاہم نبی کریم ﷺ کے سترہویں جد امجد مُضر کی قبائل عرب میں عظمت کی بناپر، اس کو وہ مرکزی وجہ قرار دیا ہے جس پر عرب لوگ متفق اور متحد ہو سکتے ہیں۔ <u>یعنی آپ خاندانِ قریش کی خلافت کے قائل ہیں لیکن اس کی وجہ نسل قریش کی بجائے نبی کریم ﷺ کے جد امجد کے مقام عظمت یعنی 'وصف</u>

قرشیت' کو قرار دیتے ہیں۔آپ خلافت میں قریش کی برتری کے اُصول کو تسلیم کرتے ہیں۔آپ کا موقف اجماعِ صحابہ سے زیادہ مختلف نہیں بلکہ آپ نے دراصل اس کی حکمت وتوجیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نسل کی بجائے وصف کو ترجیح سے سے نتیجہ میں یہ فرق ضرور آتا ہے کہ کوئی شخص اگر قریشی النسل نہ بھی ہو، لیکن اس کو قریش کے ساتھ کوئی مناسبت ،آزاد کردہ غلام بھی حاصل ہو تو وہ وصف قرشیت کا حامل ہو کر خلیفہ ہو سکتا ہے۔

آپ ان احادیث وآثار کی وضاحت کرتے ہیں جن کو قریش کی امامت کی تردید میں پیش کیا جاتا ہے۔آپ کا موقف ہے کہ

سیدنا عمر فاروق کا فرمان حدیثِ رسول کے مقابل حجت نہیں ہے۔

ذیلی امارتوں میں اختلاف ہی نہیں ، اصل اختلاف تو خلافت یعنی امامتِ کبریٰ میں ہے۔[40]

حدیث میں حبشی غلام کی امامت بطور مثال بیان کی گئی ہے یا اس سے ذیلی حاکم (وزیر) مراد ہے۔

سالم مولیٰ ابوحذیفہ میں یاد رہنا چاہیے کہ ولایت کے تعلق سے بھی کوئی شخص قریشی شمار ہو سکتا ہے۔اور سیدنا عمر کو دیگر خالص قریشی صحابہ کو چھوڑ کر سالم کی طرف جانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ

> ولمّا استعظم عمر أمر الخلافة ورأى شروطها كأنّها مفقودة في ظنّه عدل إلى سالم لتوفّر شروط الخلافة عنده فيه حتّى من النّسب المفيد للعصبيّة كما نذكر ولم يبق إلّا صراحة النّسب فرآه غير محتاج إليه إذ الفائدة في النّسب إنّما هي العصبيّة وهي حاصلة من الولاء. [41]
>
> ''جب سیدنا عمر نے امرِ خلافت کو اہم ترین سمجھا اور اپنے تئیں کسی میں اس کی شرائط پوری نہ پائیں تو سالم کی طرف متوجہ ہوگئے، کیونکہ ان میں یہ شرائط حتی کہ وہ نسب بھی جو عصبیت کے لئے درکار ہوتا ہے، ان میں موجود تھا۔ صرف نسب کی صراحت باقی رہ گئی تھی، توانہوں نے جانا کہ اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں کیونکہ ولاء سے حاصل ہونے والی عصبیت تو حاصل شدہ ہے۔''

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون (م808ھ) نے جب حاکم کے اوصاف کا تذکرہ کیا، تب بھی دیگر علما کے بالمقابل اس وصف قرشیت کو نمایاں طور پر پیش کیا،آپ لکھتے ہیں :

> وأمّا شروط هذا المنصب فهي أربعة: العلم والعدالة والكفاية وسلامة الحواسّ والأعضاء ممّا يؤثّر في الرّأي والعمل واختلف في شرط خامس وهو النّسب القرشيّ.[42]
>
> ''منصب کی شرائط چار ہیں: عالم، عادل ہونا، قابل ہونا، حواس اور ان اعضا کا مکمل ودرست ہونا جو موقف قائم کرنے اور نافذ کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اور پانچویں شرط یعنی قریشی النسب ہونے میں اختلاف ہے۔''

پھر آپ تیسری شرط 'کفایت' کی تشریح یوں کرتے ہیں:

> وأمّا الكفاية فهو أن يكون جريئًا على إقامة الحدود واقتحام الحروب بصيرًا بها، كفيلا يحمل النّاس عليها، عارفا بالعصبيّة وأحوال الدّهاء، قويّا على معاناة السّياسة ليصحّ له بذلك ما جعل إليه من حماية الدّين وجهاد العدوّ وإقامة الأحكام وتدبير المصالح.[43]

”جہاں تک کفاءت کا تعلق ہے تو حاکم کو سزاؤں کے نفاذ اور جنگوں میں اُترنے میں جراءت مند، بصیرت والا اور ذمہ دار ہونا چاہیے۔ لوگوں کو اس کے لئے تیار کر سکے، عصبیت کو سمجھتا اور فراست کے مواقع پہچانتا ہو۔ سیاست کی پیچیدگیوں پر قدرت رکھنے والا ہو، تاکہ وہ تحفظ دین، دشمن سے جہاد، نفاذِ شریعت اور مصالح کی تدبیر درست طور پر کر سکے۔“

معلوم ہوا کہ ابن خلدون کے نزدیک قریشی ہونا بھی امام کی صفت ہے، تاہم اس میں اہلیت کا پایا جانا یعنی اس قابل ہونا کہ وہ لوگوں کو اپنی حکومت پر مطمئن کر سکے، ایک لازمی وصف ہے۔

تیسرا رویہ: دیگر احادیث کی تشریح سے قرشیت کو مخصوص کیا جائے: محدثین کرام کا موقف یہ ہے کہ

خلافت میں خاندانِ قریش کی فضیلت اور اہمیت مسلمہ ہے، اور اس باب میں «الأئمة من قريش» کے اُصول کو ہی مستند حیثیت حاصل ہے، تاہم حدیث میں مذکور اس اصول کو نبی کریم ﷺ کے دیگر فرامین کی روشنی میں سمجھا جائے۔ اور احادیثِ نبویہ میں اس اصول کو عام نہیں رکھا گیا، بلکہ دیگر احادیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ □ نے نسل قریش میں خلافت کی ترجیح کو برقرار رکھتے ہوئے، نبی کریم ﷺ کے ذکر کردہ اس وصف سے مخصوص کر دیا کہ

«إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللَّهُ عَلَى وَجْهِهِ مَا أَقَامُوا الدِّينَ».[44]

”خلافت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے اور ان سے جو بھی دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ گرائے گا۔“

یعنی جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے، اور دین میں ممتاز رہیں گے، تب تک ان کو دوسروں پر امتیاز حاصل رہے گا۔ اور اسی وصف کو سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا ابو بکر صدیق □ نے بھی نبی کریم ﷺ کی زبانی بیان کیا، جیسا کہ آغاز میں یہ دونوں احادیث نمبر 5 اور 6 کے تحت ذکر ہو چکی ہیں۔ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر دونوں خلفا برابر ہوں تو قرشیت ایک مزید معتبر وجہِ فضیلت ہو گی، تاہم جب کوئی قریشی اس مقام فضل پر قائم نہ رہے، تب وہ اس سعادت سے محروم ہو جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان اس حدیث میں بھی ہے جسے صحابی ذو مخمر حبشی نے روایت کیا ہے:

«كَانَ هَذَا الْأَمْرُ فِي حِمْيَرَ، فَنَزَعَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُمْ، فَجَعَلَهُ فِي قُرَيْشٍ" وَسَ يَ عُ ودُ إِ لَ يْ هِ مْ "، وَكَذَا كَانَ فِي كِتَابِ أَبِي مُقَطَّعًا»[45]

”حکومت حمیر قبیلہ میں تھی، اللہ نے ان سے لے کر اسے قریش میں کر دیا، اور عنقریب وہ قریش سے پلٹ کر ان میں واپس چلی جائے گی۔ اور ان کی تحریر میں یہ لفظ یوں ہی جدا جدا لکھا ہوا تھا۔“

اس موقف کو درج ذیل محدثین اور شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے:

- مشہور مفسر قرآن محمد امین شنقیطی (م 1973ء) لکھتے ہیں:

"فاشتراط كونه قرشيًا هو الحق، ولكن النصوص الشرعية دلّت على أن ذلك التقديم الواجب لهم في الإمامة مشروط بإقامتهم الدين، وإطاعتهم لله ورسوله، فإن خالفوا أمر الله فغيرهم ممن يطيع الله تعالى وينفذ أوامره أولى منهم."[46]

”قریشی کی شرط ہونا ہی حق ہے۔ لیکن شرعی نصوص یہ بھی بتاتی ہیں کہ امامت میں قریشیوں کو مقدم کرنا، ان کے خود دین پر قائم وکاربند رہنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اگر وہ اللہ کے احکام کی مخالفت کریں تو ایسے دوسرے مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور اس کے احکام کے نفاذ کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں، ان پر ترجیح پائیں گے۔“

آغاز میں مذکور سیدنا عبد اللہ بن عمر کی حدیث (نمبر3، صحیح بخاری: رقم 3501) کی تشریح میں شارح بخاری حافظ عبد الستار الحمادؒ لکھتے ہیں:

”اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ قریش کے ساتھ خاص ہے، لیکن یہ استحقاق اقامتِ دین سے مقید ہے، اس لیے جب خلفا نے امور دین میں کمزوری ظاہر کی تو حالات تبدیل ہوگئے اور جب تک یہ قریشی حضرات دین کو درست رکھیں گے تو قیادت ان میں باقی رہے گی اگرچہ وہ تعداد میں دو ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ قحطان سے ایک شخص نکلے گا جو اپنی لاٹھی سے لوگوں کو ہانکے گا۔“ (صحیح بخاری: الفتن، رقم 7117) اس پر امام بخاری نے عنوان قائم کیا ہے کہ 'حالات تبدیل ہوجائیں گے حتی کہ بتوں کی پوجا شروع ہوجائے گی'۔ اس تبدیلی سے پہلے پہلے قریش ہی خلافت کے مستحق ہوں گے۔ دورِ حاضر میں اگرچہ قریش حکمران نہیں ہیں، تاہم ان کے استحقاق کے متعلق کسی کو بھی مجالِ انکار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مذکور حدیث میں کسی واقعے کی خبر نہیں دی بلکہ حکماً فرمایا کہ ان میں حکومت رہنی چاہیے۔ واللہ اعلم“

شیخ محمد ناصر الدین البانی (م 1999ء) پیچھے مذکور عبد اللہ بن مسعود کی روایت (نمبر 5) کے بعد لکھتے ہیں:

"وهذا الحديث علم من أعلام نبوته ﷺ، فقد استمرت الخلافة في قريش عدة قرون، ثم دالت دولتهم، بعصيانهم لربهم، واتباعهم لأهوائهم، فسلط الله عليهم من الأعاجم من أخذ الحكم من أيديهم ".[47]

”یہ حدیث نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ کیونکہ قریش میں خلافت کئی صدیوں تک موجود رہی، پھر ربّ کی نافرمانی اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی وجہ سے حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکومت کو ان کے ہاتھ سے لے کر عجمیوں کو ان پر مسلط کردیا۔“

شیخ محمد بن صالح العثیمین (م 2001ء) سے دریافت کیا گیا کہ الأئمة من قریش اور حبشی غلام کی اطاعت والی حدیث کے مابین وجہ مطابقت کیا ہوسکتی ہے؟ اور کیا حبشی خلیفہ ہوسکتا ہے تو جواب دیا کہ

"إذا أردنا أن نختار إماماً للمسلمين، فلنختر من قريش، ولكن مَنْ مِنْ قريش؟ الذين قاموا بالدين..."[48]

”ہاں! جب اللہ تعالیٰ کسی حبشی غلام کے لئے خلیفہ بننا ممکن کردے تو وہی خلیفہ ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم نے یہ فرمان اختیار اور انتخاب کے وقت دیا ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کریں تو قریش کو اختیار کریں۔ اور قریش سے کونسے قریشی مراد ہیں؟ جو اقامتِ دین کرتے ہوں، محض قریش سے منسوب یا رسول اللہ کے نسب سے ہونا کوئی فضیلت

نہیں۔ ہاں جب دین بھی ساتھ موجود ہو، مثلاً کوئی قریشی شخص، فاسق ہونے کے باوجود خلافت کا دعوی کرے تو ہم انکار کریں گے۔ کیونکہ خلافت کے انتخاب میں عادل ہونا بھی لازمی شرط ہے۔

تاہم کوئی شخص اگر جبری طور پر لوگوں پر حاکم بن جائے اور ان پر حکومت کرے تو اس کی سمع وطاعت ضروری ہے، اگرچہ وہ کوئی حبشی ہو جس کا سر منقیٰ کی طرح ہو۔ تو انتخاب اور غلبہ کے مابین فرق ہے کہ کوئی شخص اپنی قوت کی بنا پر لوگوں پر غلبہ پالے تو اس وقت ہم کہیں گے کہ ہم سمع وطاعت کرتے ہیں اور حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔ الا یہ کہ وہ ایسے کفر بواح کا ارتکاب کرے جس میں ہمارے پاس واضح برہان موجود ہو۔"

یہاں شیخ ابن عثیمین نے قرشیت کے وصف کی اصل کیفیت واضح کرتے ہوئے بڑا باریک نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ ایسی مشروع امامت (امامِ کبیر، خلافت) جس کی دعوت دی جائے گی، کے اوصاف اس 'امامتِ استیلائی' سے مختلف ہیں جو غلبہ و تسلط کے نتیجے میں واقع ہوتی ہے۔ یعنی امام مقرر کرنے اور غالب امام کو قبول کرنے کی صورتوں میں فرق ہے۔ گو کہ دونوں کو زکاۃ بھی ادا ہو جاتی اور دونوں ہی حدود وجہاد کو قائم بھی کر سکتے ہیں لیکن دونوں کی اطاعت کے درجے میں بھی فرق ہے۔ پہلی امامت تو شریعت کے تقاضے کی بنا پر ہوتی ہے، اور دوسری امامت ملت کی مصلحت اور اخف الضررین کے تحت قبول کی جاتی ہے۔ اور یہی فرق ایک وقت میں ایک سے زیادہ خلفا کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا بھی ہے۔

یہی موقف مولانا اشرف علی تھانوی کا بھی ہے کہ وہ شرعی خلیفہ اور جبری سلطان میں فرق کرتے ہوئے، شرعی تقاضے پورے ہونے کی بجائے، حبشی غلام کی اطاعت کو گوارا کرنے کا موقف رکھتے ہیں:

"اگرچہ حبشی غلام شرعی قاعدہ سے امام وخلیفہ نہیں ہو سکتا۔ مگر شریعت میں جس طرح امام وخلیفہ کی اطاعت واجب ہے، اسی طرح اس سلطان کی بھی جس کو تسلط وشوکت (اور غلبہ) حاصل ہو جائے، اور اس کے سایۂ حمایت میں امن وعافیت سے رہ سکیں۔ سو سلطان ہونے کے لئے وہ شرائط نہیں جو امامت وخلافت کے لئے ہیں۔ البتہ اسلام شرط ہے۔ [49]"

سیاست شرعیہ کے معروف ماہر مولانا محمد اسحٰق سندیلوی سیدنا معاویہ والی حدیث پیش کر کے لکھتے ہیں:

"ما أقاموا الدین میں ما بمعنی ما دام ہے جو توقیت کے لئے آیا ہے۔ یعنی قریش کا استحقاق خلافت اس وقت تک باقی رہے گا، جب تک وہ دین کو قائم رکھیں... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل شے استحقاق میں اقامتِ دین ہے، نہ کہ قرشیت.. ہم سمجھتے ہیں کہ اجماع اس امر پر ہے کہ قرشیت خلافت کے باب میں وجہ ترجیح ہے۔ یعنی اگر دو شخص اوصاف خلافت کے لحاظ سے بالکل مساوی ہوں درجہ پر ہوں لیکن ان میں سے ایک قریشی ہو اور دوسرا غیر قریشی تو ایسی صورت میں قریشی کو ترجیح ہو گی۔ اور اس کے مقابلہ میں غیر قریشی کو خلیفہ بنانا جائز نہ ہو گا۔" [50]

حبشی حاکم کی اطاعت والی حدیث کے بارے میں مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے [غیر قریشی کی خلافت کے جواز] کا استدلال تو کمزور ہے۔ اس لئے امیر بن جانا اور بات ہے، اور امیر کا انتخاب اور بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص تغلب کے ذریعے یعنی زبردستی امیر بن جائے، یا ایسے وقت میں امیر بن

جائے جب قریش میں کوئی آدمی صفات کا مستجمع موجود نہ ہو، اس صورت میں باتفاق، غیر قریشی کی امارت تسلیم کی جاتی ہے۔"[51]

مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں کہ

"امام ابو حنیفہ کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔"[52]

امام صاحب کا یہی موقف بعض دیگر علما نے بھی ذکر کیا ہے، تاہم اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی غیر قریشی کو خلیفہ بنادیا جائے اور اس کا اقتدار قائم ہو جائے تو اس کی خلافت اسی طرح منعقد ہو جائے گی، جیسے جیسے استیلاء (جبر و تغلب) کے ذریعے منعقد ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلیفہ کا انتخاب کرنے والوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ان شرائط کو ملحوظ رکھیں۔"[53]

پانچ صفحات پر مختلف علما کا موقف بیان کرنے کے بعد مولانا تقی عثمانی آخر میں اپنا موقف یوں لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ علما، فقہا اور متکلمین کی بھاری اکثریت اسی بات کی قائل ہے، کہ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ شرط اس وقت ہے جب قریش میں ان دوسری صفات والا آدمی موجود ہو۔ جو امیر کے لئے ضروری ہیں۔ اور اگر قریش میں ایسا عادل اور عالم آدمی میسر نہ ہو، تو پھر اس صورت اس پر اتفاق ہے کہ غیر قریشی کو بنانا جائز ہے۔ اور احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔"[54]

مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ "امامت قریش میں ہو گی۔" کے عنوان سے اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہیں:

"حضور اکرم نے اپنی زندگی میں ہی یہ خبر دے دی تھی کہ ان کے بعد ان کے جانشین (خلیفہ) قبیلہ قریش میں سے ہوں گے، اور ساتھ اس کی وجہ بھی بیان فرمادی تھی۔ اس سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہیں، اور امام بخاری نے الأمراء من قریش(کتاب الأحکام) کے عنوان سے ایک مستقل باب بھی باندھا ہے۔"[55]

شیخ ابن عثیمین کی تطبیق امام یحییٰ بن شرف النووی (م676ھ) کی اس تشریح سے قریب تر ہے:

"حكم حديث ابن عمر مستمر إلى يوم القيامة ما بقي من الناس اثنان ...[56]

"سیدنا عبد اللہ بن عمر والی حدیث (نمبر 3) کا حکم قیامت تک جاری وساری ہے، اور جو بات نبی کریم نے ارشاد فرمائی وہ آج تک تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ دور نبوی سے آج تک بلا مزاحمت قریش ہی ملتِ اسلامیہ کے حاکم ہیں۔ اور جس نے حکومت پر دبدبہ کے ذریعے غلبہ پالیا تو اس سے قریش کی خلافت کا انکار نہیں ہو جاتا بلکہ دراصل اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے یہ حکومت قریش کی نیابت میں کی ہے۔"

امام نووی کے دور میں ہی سقوطِ بغداد کا سانحہ پیش ہوا، جس کے بعد آنے والے جبری سلاطین، حکومت تو خود کرتے لیکن تبرک و تقدس کے لئے وہ قریشی خلفا کا ہی نام استعمال کیا کرتے۔ جیسا کہ سقوطِ بغداد کے بعد خلافت سلاطین مصر کے پاس چلی گئی اور ان کا یہی معمول رہا، پھر سلاطین عثمانیہ نے بھی پہلے دو سو سال یہی معمول جاری رکھا۔ یہ معمول امام نووی کے بعد بھی دو، تین صدیاں جاری رہا۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جب قرآن وسنت کے متعدد دلائل سے علم ہوتا ہے کہ اَصلح شخص کو حاکم بنانا ضروری ہے۔ فرمانِ نبوی کی رو سے امانت کی اہم ترین قسم 'سیاسی مناصب' ہیں اور قرآن کریم نے امانت کو اس کے اہل کو ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ اسی طرح حاکم کے لئے قرآن وسنت کی رو سے قوی یعنی صاحبِ استعداد ہونا بھی ضروری ہے، جیساکہ فقہانے حاکم کے دسیوں کے اوصاف کی نشاندہی کی ہے۔ تو نبی کریم کے ایک فرمان قریشی ہونے کو دیگر فرامین کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے ہی ایسے جامع طریقہ کا علم ہوتا ہے جس میں تمام اوصافِ شرعیہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ صرف قرشیت کو سامنے رکھ کر، باقی شرعی اوصاف سے دستبردار ہوجانا کوئی معتبر فہم شریعت اور دین داری نہیں ہے۔ راقم نے اپنے مستقل مضامین میں امانت وقوت کی شرعی تفصیلات اور اس پر قرآن وسنت کے ساتھ فقہاے کرام کے دلائل بھی جمع کردیے ہیں۔

الغرض حاکم کی بنیادی اہلیت پر قرشیت کا وصف مستزاد ہے، اور حاکم کی اصل اہلیت امانت وقوت ہے، اگر یہ اہلیت قریش میں ختم ہوگئی تو پھر یہ حکومت بھی ان کے پاس نہ رہے گی۔ اور جب سیدنا ابوبکر نے اس حدیث سے استدلال کیا تھا تو آپ اہلیتِ امامت میں پوری امت پر اصلاً فائق تھے، بقول سیدنا عمر: "ان جیسا کوئی بھی نہ تھا۔" اور اس پر قرشیت کی صفت مزید تھی، سو فیصلہ انہی کے بارے میں ہوا۔

Refrences

1 سیدنا جابر بن سمرۃ سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے کہ «لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً...» صحیح مسلم، کِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ: رقم 4709 "بارہ خلفا (کے عہد) تک اسلام کا غلبہ جاری رہے گا۔" صحیح بخاری کی حدیث: وَسَيَكُونُ بَعْدِي خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ (3455) سے بھی خلفا کی کثرت کا علم ہوتا ہے۔

Ṣaḥīḥ Muslim, Kitāb al-Imārah, Bāb al-Nās Tab'un Quraysh, no. 4709

2 "الموسوعۃ الفقھیۃ" (219/6)، وزارۃ الاوقاف والشؤن الإسلامیۃ، کویت 1427ھ۔

Al-Mawsū'ah al-Fiqhiyyah, (219/6), Wizarah al-Awqāf wa al-Shu'ūn al-Islamiyyah, Kuwayt, 1427H

3 امامت کا لفظ وسیع المعنی ہے: 'مسلمانوں کی اجتماعیت' کے قائد کو امام کہتے ہیں، چاہے وہ نماز کا امام ہو یا سیاستِ نبویہ کا امام۔ ایسے ہی ہر چیز میں قائد ور ہنما کو امام کہا جاتا ہے جیسا کہ علوم وفنون کے امام، حدیث وفقہ کے امام، لغت وشاعری کے امام۔ قرآن کریم کا وہ مرکزی نسخہ 'مصحفِ امام' ہے جو سیدنا عثمان □ نے لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پھر اس سے نسخے بنوائے۔ اور 'امام مبین' لوحِ محفوظ کو کہتے ہیں۔ برائی اور گناہ کے داعی کو بھی ائمہ کہتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور آگ کی طرف بلانے والے ائمہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

4 صحیح البخاري: (كِتَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا...، ح 3668

Ṣaḥīḥ Bukhārī, Kitāb Fadā'il Aṣḥab al-Nabī ﷺ, Bāb Qawl al-Nabī ﷺ, Law Kuntū Muttaḥidan, Ḥadīth no. 3668

5 فَقَدْ قَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ سَالِمًا مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ فِي إِمَامَةِ الصَّلَاةِ وَوَرَاءَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ (فتح الباری: 13، 119، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ)

Faqad Qaddama al-Nabī ﷺ Sāliman Mawlā Abi Huzayfah fī Imāmah Warā'ahū Jamā'atan min Quraysh, (Fatḥ al-Bārī: 13,119, Dār al-Ma'rifa, Beirūt, 1397H)

6 صحیح مسلم :كِتَابُ الْفَضَائِلِ (بَابُ فَضْلِ نَسَبِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَسْلِيمِ الْحَجَرِ عَلَيْهِ قَبْلَ النُّبُوَّةِ)، 2276

Ṣaḥīḥ Bukhārī, Kitāb Fadā’il, Bāb Faḍl Nasab al-Nabī ﷺ wa Taslīm al-Ḥajr Alayhī Qabl al-Nubuwwah, 2276

7 پہلے تینوں خلفاے راشدین بنوہاشم سے نہیں تھے۔ان تینوں کی خلافت پر اجماعِ امت سے علم ہوا کہ خلیفہ کے لئے بنوہاشم سے ہونا بھی ضروری نہیں۔(الموسوعۃ الفقهیہ :6،219)بعدازاں قریش کے دو سلسلوں:اُمویہ اور عباسیہ میں اہل السنہ اور اہل تشیع کے مابین مشہور اختلاف پیدا ہوا کہ خلافت کو اولادِ علی □ میں ہونا چاہیے۔اور اس کی تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں۔تاہم ہر دو گروہ کا اس پر ضرور اتفاق ہے کہ خلافت خاندانِ قریش سے ہی ہو گی۔

8 امام رازی نے اس پر اجماع ذکر کیا ہے۔(التفسیر الکبیر از امام رازی:100/32،دار احیاء التراث،بیروت،1420ھ)

Al-Tafsīr al-Kabīr Imām Rāzī, 100/32, Dār Iḥyā’ al-Turāth, Beirūt, 1420H

9 صحیح بخاری:رقم 16،مسند احمد:21839،حسن... سنن ابن ماجہ:2612

Ṣaḥīḥ Bukhārī: No. 16, Musnad Aḥmad: 21839, Ḥassan, Sunan Ibn Mājah: 2612

10 صحیح البخاري :كِتَابُ المَنَاقِبِ (بَابُ مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ)، قبل حدیث 3501

Ṣaḥīḥ Bukhārī: Kitāb al-Manāqib, Bāb Manāqib al-Quraysh

11 السنن الكبرى للنسائي: كتاب القضاء، باب الأئمة من قريش، رقم(5942)، مسند احمد:12329،11898 صحّحه الألباني في صحيح الجامع(رقم 2758)

Al-Sunan al-Kubrā li al-Nisā’ī, Kitāb al-Qaāa, Bāb al-A’imah min Quraysh, no. 5942, Musnad Aḥmad: 12329, 11898, al-Albanī: no. 2758

12 تحفة الطالب 250،دار ابن حزم، طبع سوم،1416ھ۔البدر المنیر 20/8،دار الهجرة، الرياض 425ھ۔المغني عن حمل الأسفار 1026/2

Tuḥfah al-Ṭālib 250, Dār ibn Ḥazam, 3rd edition, 1416H, al-Badr al-Munīr, 20/8, Dār al-Hijrah, al-Riyāḍ, 1425H, al-Mughnī ‘An Ḥaml al-Aṣfār 1026/2

13 الفصل فی الملل:74/4،،مکتبة خانجي، قاهرة، منهاج السنة النبوية 315/8،شرح نخبة الفكر 190/1،الأزهار المتناثرة في الأحاديث المتواترة از سیوطی، نظم المتناثر في الحديث المتواتر:158/1 دار الكتب السلفية، مصر، طبع ثالث

Al-Fiṣal fi al-Milal, 74/4, Maktabah Khānjī, Qāhirah, Minhāj al-Sunnah al-Nawabiyyah, 315/8, Sharḥ Nukhbah al-Fikr, 190/1, Al-Azhār al-Mutanāthirah fi al-Aḥadīth al-Mutawātirah az Suyūtī, Nazm al-Mutanāthir fi al-Ḥadīth al-Mutawātir, 158/1, Dār al-Kutub al-Salfiyyah, Misr, 3rd edition

14 التلخيص الحبير:42/4،دار الكتب العلمية، بیروت 1419ھ۔

Al-Talkhīs al-Ḥabīr: 42/4, Dār al-Kutub al-Ilmiyyah, Beirūt, 1419H

15 صحیح البخاري :(كِتَابُ المَنَاقِبِ) بابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ، رقم 3495

Ṣaḥīḥ Bukhārī: Kitāb al-Manāqib, no, 3495

16 صحیح البخاري :(كِتَابُ المَنَاقِبِ) بَابُ مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ، رقم 3501

Ṣaḥīḥ Bukhārī: Kitāb al-Manāqib, Bāb Manāqib Quraysh, no. 3501

17 صحیح البخاري :كِتَابُ المَنَاقِبِ (بَابُ مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ)، ح 3500

Ṣaḥīḥ Bukhārī: Kitāb al-Manāqib, Bāb Manāqib Quraysh, no. 3500

18 ابن حجر، حافظ، فتح الباری:6،654،دار المعرفة، بیروت،1379ھ۔

Ibn e Ḥajar, Hāfiz, Fatḥ al-Bārī, 654/6, Dār al-Ma’rifah, Beirūt, 1379H

19 مسند احمد:4380،السلسلة الصحیحہ:1552،ورجالہ ثقات (فتح الباری:13،116)

Musnad Aḥmad: 4380, al-Silsilah al-Ṣaḥīḥa: 1552, wa Rijāluhū Thiqāt (Fatḥ al-Bārī: 116/13)

20 ابن حجر، حافظ، فتح الباری: 13،116 بحوالہ سیرتِ ابن اسحٰق (م 767ء)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ

Ibn e Ḥajar, Hāfiz, Fatḥ al-Bārī: 116/13 Ba Ḥawālah Sīrat ibn Ishāq (died 767H), Dār al-Kutub Ilmiyya, Beirūt, 1424H

21 صحیح: ذکرہ الحافظ ابن حجر في الفتح، وقال: أخرجہ عبد الرزّاق بإسناد صحیح، لکنّہ مرسل ولہ شواھد، وصحّحہ الشیخ الألباني في صحیح الجامع "2966"

22 مجموع فتاوی ابن تیمیۃ: 19،30، مجمع الملک فھد، المدینۃ النبویۃ، 1416ھ

Majmū’ Fatāwā ibn Taymiyyah, 30/19, Majma’ al-Malik Fahad, al-Madinah al-Nawabiyyah, 1416H

23 صحیح البخاري: کتَابُ الأحکَامِ) بَابُ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ، ح 7142

Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Kitāb al-Aḥkām, Bāb al-Sam’ wa al-Ṭā’ah li al-Imām, no. 7142

24 اسْتَخْلَفَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ حِينَ خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ (مستدرک حاکم: 5181، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1411ھ)

Mustadrak Ḥakim: 5181, Dār al-Kutub Ilmiyya, Beirūt, 1411H

25 مستدرک حاکم: 5005، وقال الذہبی: علیٰ شرط البخاری ومسلم

Mustadrak Ḥakim: 5005

26 تاریخ صغیر: ۳۱، مستدرک حاکم: ۵۱۴۴، حلیۃ الاولیا: ۱،۱۰۲

Tārīkh Ṣaghīr:31, Mustadrak Ḥakim: 5144, Ḥilyah al-Auwliyā’: 102/1

27 شیبانی، ابو الحسن علی بن محمد، اسد الغابہ، دار الفکر، بیروت، 1409ھ اور سیر اعلام النبلاء وغیرہ

Shebāni, Abul Hasan Ali bin Muhammad, Usud al-Gābba, Dār ul Fikr, Beruit, 1409H and Siyar ‘Alām al-Nubalā’

28 احمد بن حنبل، مسند احمد، مکتبہ الرسالہ، بیروت 1421ھ، مسند عمر بن خطاب: ح 108، حسن لغیرہ

Aḥmad bin Hanbal, Musnad Aḥmad, Muassasa Al-Risāla, Berui 1421H, Musnad Umar ibn Khattab: Ḥadīth no, 108, Hassan Li Ghayrihi

29 احمد بن حنبل، مسند احمد، مسند عمر بن خطاب: ح 323، صحیح... جبکہ اسی واقعہ کی سند کو حافظ احمد شاکر نے اپنی محقق مسند احمد میں منقطع، ضعیف بھی قرار دیا ہے۔

(1، 201، رقم 108) کیونکہ شریح بن عبید اور راشد بن سعد حمصی، دونوں کی سیدنا عمر سے ملاقات ثابت نہیں۔

Aḥmad bin Hanbal, Musnad Aḥmad, Musnad Umar ibn Khattab: Ḥadīth no, 323

30 ماوردی، ابو الحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ: ص 20، دار الحدیث—القاهرة

Al Mawardi, Abul Hasan, Al-Ahkam al-Sultaniyyah: pg 20, Dār al-Ḥadīth, al-Qāhirah

31 ابن حجر: فتح الباري 119/13، وحکی الإجماع کذلک النووي

Ibn Ḥajar: Fatḥ al-Bārī, 119/13

32 ابن حزم: الفصل في الملل 74/4، مکتبۃ خانجی، قاھرۃ

Ibn Hazam, al-Faṣal fi al-Milal, 74/4, Maktabah Khānjī, Qāhirah

33 صحیح بخاری میں ہے: مَا أَجِدُ أَحَقَّ بِهَذَا الأَمْرِ مِنْ هَؤُلاَءِ النَّفَرِ أَوِ الرَّهْطِ، الَّذِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ، فَسَمَّى عَلِيًّا، وَعُثْمَانَ، وَالزُّبَيْرَ، وَطَلْحَةَ، وَسَعْدًا، وَعَبْدَ

الرَّحْمَنِ، وَقَالَ: يَشْهَدُكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَلَيْسَ لَهُ مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ، كَهَيْئَةِ التَّعْزِيَةِ لَهُ... (صحیح بخاری: 3700)

Ṣaḥīḥ Bukhārī: 3700

34 الموسوعۃ الفقھیہ: 6،219 بحوالہ ابن عابدین 368/1، ومغني المحتاج 130/4، وروضۃ الطالبین 312/6، 48/10، ومطالب أولي النھی 265/6،

وحاشیۃ الدسوقي 298/4

Al-Mawsū’ah al-Fiqhiyyah: 219/6, ba Ḥawālah ibn Ābidīn, 368/1, wa Mughnī al-Muḥtāj 130/4, wa Rawḍa al-Ṭālibīn, 312/6, 48/10, wa Maṭālib Auwla al-Nahy 265/6, wa Ḥāshiyah al-Dasūtī, 298/4

35 حصکفی، محمد بن علی، الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین: 1؍548، دار الفکر، بیروت، 1412ھ

Haṣkafī, Muhammad bin Ali, Al-Dur al-Mukhtār ma'a Ḥāshiyah ibn Ābidīn: 548/1, Dār al-Fikr, Beirūt, 1412H,

36 ابن عابدین، محمد امین بن عمر، الرد المحتار: 1؍548، دار الفکر، بیروت، 1412ھ

Ibn Ābidīn, Muhammad Amin bin Umar, Al-Radd al-Muḥtar, 548/1, Dār al-Fikr, Beirūt, 1412H

37 اصلاحی، مولانا امین احسن، 'اسلامی ریاست کے اصول ومبادی'، ص57، مختصراً، دار التذکیر، 2002ء

Iṣlāhī, Mawlānā Amīn Aḥsan, Islāmi Riyāsat ky Usūl wa Mabādī, pg 57, Dār al-Tazkīr, 2002AD

38 عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون: 1؍242، محقق خلیل شحادة، دار الفکر، بیروت، 1408ھ

Abdul Rehman ibn Muḥammad ibn Khuldūn, Muqaddimah ibn Khuldūn, 242/1, Muḥaqqiq Khalīl Shahādah, Dār al-Fikr, Beirūt, 1408H

39 ایضاً: ص245

Ibid: 245

40 ایضا: 243

Ibid: 243

41 ایضا: 243

Ibid: 243

42 عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (دیوان المبتداء والخبر...) دار الفکر، بیروت 1988ء: 1؍241

Abdul Rehman ibn Muḥammad ibn Khuldūn, Muqaddimah ibn Khuldūn, (Dīwān al-Mubtada wa al-Khabar), Dār al-Fikr, Beirūt, 1988: 241/1

43 عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون: 1؍242

Abdul Rehman ibn Muhammad ibn Khuldūn, Muqaddimah ibn Khuldūn: 242/1

44 صحيح البخاري : كِتَابُ المَنَاقِبِ) بَابُ مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ(، ح3500

Ṣaḥīḥ Bukhārī: Kitāb al-Manāqib, Bāb Manāqib al-Quraysh: 3500

45 مسند احمد: 16827، سند جید، قال ابن حجر: "وسندہ جید، وھو شاھد قوي (فتح الباري: 116/13)

Musnad Aḥmad: 16827, (Fatḥ al-Bārī: 116/13)

46 الشنقیطي: أضواء البیان 24/1... حکم اشتراط القرشية في الإمامة الكبرى از طالب بن عمر بن حيدرة الكثيري میں بھی اس موضوع پر بعض مفید تفصیلات مل سکتی ہیں۔

Al-Shanqīṭī, Aḍwā al-Bayān, 24/1

47 السلسلة "الصحيحة" (1552)، مكتبة المعارف، الرياض، 1425ھ-

Al-Silsilah al-Ṣaḥīḥa (1552), Maktabah al-Mu'ārif, a;-Riyad, 1425H,

48 "لقاء الباب المفتوح" (19/185) بترقيم الشاملة، موقع الشبكة الإسلامية

Liqā' al-Bāb al-Maftūḥ, 185/19, bi Tarqīm al-Shāmilah, Mawqa' al-Shabakah al-Islamiyyah

49 فروع الایمان: ص77 بحوالہ 'اسلام اور سیاست' از افادات مولانا محمد اشرف علی تھانوی: ص94

Furū' al-Emān: pg 77 ba Ḥawālah Islam awr siyāsat az Ifādāt Mawlana Muhammad Ashraf Ali Thānvī, pg 94

50 سندیلوی، مولانا محمد اسحق، اسلام کا سیاسی نظام: ص76، 78، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1989ء

Sandaylwi, Mawlānā Muhammad Ishāq, Islam ka siyāsī Nizām, pg 76,78, National Book Foundation, Islamabad, 1989AD

51 تقی عثمانی، مولانا محمد، اسلام اور جدید سیاسی نظریات: ص219، ادارہ اسلامیات، لاہور

Taqī Uthmānī, Mawlānā Muhammad, Islam aur jadīd Siyāsī Nazariyāt: pg 219, Idārah Islamiyat, Lahore

52 کشمیری، مولانا انور شاہ، فیض الباری: ص4؍498، دار الضیاء، الکویت

Kashmīrī, Mawlānā Anwar Shāh, Fayḍ al-Bārī: 498/4, Dār uz Ziā, Kuwait.

53 تقی عثمانی، مولانا محمد، اسلام اور جدید سیاسی نظریات: ص217

Taqī Uthmānī, Mawlānā Muhammad, Islām aur jadīd Siyāsī Nazariyāt: pg 217

54 تقی عثمانی، مولانا محمد، اسلام اور جدید سیاسی نظریات: ص217، نومبر 2010ء

Taqī Uthmānī, Mawlānā Muhammad, Islām aur jadīd Siyāsī Nazariyāt: pg 217, November 2010AD,

55 کیلانی، مولانا عبد الرحمٰن، خلافت وجمہوریت: ص27، مکتبہ السلام، 2002ء

Kaylānī, Mawlānā Abdul Rehman, Khilāfat awr Jamhūriyyat: pg 27, Maktabah al-Salam, 2002AD

56 ابن حجر، حافظ فتح الباری: 13؍117

Ibn Ḥajr, Fatḥ al-Bārī: 117/13